

مکاتیب

(۱)

بعد از سلام مسنون

میں شاید ان دنوں پچھلے دو تین سالوں کے الشریعہ کی ورق گردانی کی بات لکھ چکا ہوں۔ اسی ضمن میں نومبر ۲۰۱۱ء کے شمارہ میں محمد اظہار الحق صاحب کا مضمون پڑھنے میں آیا۔ دلچسپ نکلا۔ اظہار صاحب نے اس میں صفحہ ۴ پر سوال اٹھایا ہے کہ فلاں خط میں فلاں صاحب کے متعلق ایسے ایسے ناملائم الفاظ کی بہتات ہے۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ ”اس کی اشاعت ایک دینی پرچہ میں کیوں ضروری تھی اور اس کے شائع نہ ہونے سے کون سی صحافتی اقدار مجروح ہو رہی تھیں۔“ مجھے یاد آیا کہ بارہا مجھے خیال ہوا کہ آپ کو اور مولانا کو لکھا جائے کہ آپ اپنے بارے میں فریخ حوصلگی رکھتے ہیں تو رکھیں کہ مکاتیب نگار جو کچھ بھی مناسب نامناسب آپ کے بارے میں لکھیں، وہ آپ من و عن چھاپ دیں، لیکن دوسروں کے حق میں تو اس فراخی کا مجاز اپنے آپ کو نہیں سمجھا جانا چاہیے۔ ایڈیٹر اگر ایسے امور میں بھی ایڈیٹنگ نہ کرے تو وہ ایڈیٹر کس معنی کا۔ الغرض یہ فرض جواب تک کوتاہی کی نذر رہا، اظہار الحق صاحب کی ”برکت“ سے آج ادا ہو جاتا ہے۔

[مولانا] عتیق الرحمن سنہجلی (لندن)

(۲)

عزیز گرامی محمد عمار خان ناصر سلمک اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حافظ عبد الجبار سلمانی صاحب نے راقم کی وضاحت پر پھر خامہ فرسائی کرنی ضروری سمجھی ہے، حالانکہ ان کے اصل مضمون میں جو دو غلطیاں یا غلط فہمیاں تھیں، راقم نے ان کی بابت حقیقت واقعی کی وضاحت کی تھی جس میں بحث و تکرار کی قطعاً ضرورت نہیں تھی، لیکن ذہنی جمود مخالف کے نقطہ نظر کو سمجھنے میں مانع بن جاتا ہے۔ یہی حادثانہ کے ساتھ بھی پیش آیا ہے۔ راقم نے عرض کیا تھا کہ عدم تقلید کو گمراہی قرار دینا یکسر غلط ہے۔ اس فتوے گمراہی کی زد میں صرف اہل حدیث ہی نہیں آتے، بلکہ خیر القرون کے صحابہ و تابعین بھی اس کی زد میں آجاتے ہیں۔ ان کا جو طرز عمل تھا، اہل حدیث کا طرز فکر و عمل اسی کے مطابق ہے اور اسلاف کا یہی منج، منج حق ہے۔ اصل گمراہی منج سلف سے انحراف ہے۔ اس کی بابت موصوف نے کوئی وضاحت نہیں فرمائی اور راقم نے صحابہ و تابعین کے طرز عمل کی جو وضاحت کی تھی اور قرآن کریم کی

ایک آیت بھی پیش کی تھی، اس کو انھوں نے تقلید کی حمایت قرار دے دیا، حالانکہ اس سے تقلید شخصی کا اثبات نہیں ہوتا بلکہ صرف اہل علم کی طرف مراجعت کا حکم ہے۔ تقلید اور اتباع دونوں کو یکساں قرار دینا کسی صاحب علم سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ پھر قرآن کریم کی آیت فاسئلوا اہل الذکر سے تقلید شخصی کا اثبات تو مستمظریفی کی انتہا ہے۔

تقلید کا مطلب ہے امام کی بات کو بلا دلیل مان لینا۔ اس میں مقلد کو سرے سے دلیل پوچھنے کا حق ہی نہیں ہے، قول امام ہی دلیل ہے۔ اور تقلید شخصی کا مطلب ہے ایک ہی امام اور ایک ہی فقہ کی بات کو ماننا، کسی بھی دوسرے امام یا فقہ کی بات نہ ماننا۔ کسی امام اور فقہ کے پابند عوام کو اپنے مقلد علماء سے دلیل پوچھنے کی اجازت ہے نہ جرات۔ اور اگر کوئی یہ جرات کر بیٹھتا ہے تو اس کو دلیل کے بجائے جھڑک اور ڈانٹ ملتی ہے۔ الحمد للہ اہل حدیث عوام اور علماء میں اتباع کا طریقہ تائید ہے جو صحابہ و تابعین کا بھی منہج ہے۔ عوام یقیناً دینی مسائل میں رہنمائی کے لیے علماء کی طرف رجوع کرتے ہیں اور علماء ان کی رہنمائی کرتے ہیں، لیکن عوام کے ذہن میں بھی یہی ہوتا ہے کہ ان کو صرف اللہ رسول کی بات بتلائی جائے اور علماء بھی پوری دیانت داری سے اپنے فہم اور معلومات کی روشنی میں اللہ رسول ہی کی بات بتلاتے ہیں۔ وہ نہ کسی امام کی رائے یا فقہ کی روشنی میں فتویٰ دیتے ہیں اور نہ اپنے ہی کسی بڑے بزرگ کی رائے کے مطابق۔ اور قرآن کی محولہ آیت سے بھی اسی طریقے کا اثبات ہوتا ہے نہ کہ تقلید کا۔

دوسرا مسئلہ حیات النبی کا ہے جس کی بابت عرض کیا گیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر مبارک میں جو زندگی حاصل ہے، وہ برزخی ہے جس کی نوعیت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے نہ جان ہی سکتا ہے۔ دنیوی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہی مسلک دیوبندی علماء میں سے مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری مرحوم کا تھا اور یہی مسلک اہل حدیث کا ہے، جبکہ عام دیوبندی علماء کا عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں جو زندگی حاصل ہے، وہ دنیوی زندگی ہی کی طرح بلکہ اس سے بھی قوی ہے، اس لیے جس طرح ان سے زندگی میں توسل جائز ہے، اسی طرح اب بھی آپ سے توسل جائز ہے۔ یعنی قبر مبارک پر جا کر آپ سے درخواست کرنا، جائز ہے۔ اسی لیے مولانا حسین احمد مدنی نے حج پر جانے والوں کو یہ تاکید کی ہے کہ مکہ جانے سے پہلے مدینہ جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبولیت حج کی استدعا کی جائے۔ یہ عقیدہ قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ کے خلاف ہے، اس لیے سید عنایت اللہ شاہ بخاری اس سے انکار کرتے تھے اور اہل حدیث بھی اس مسئلہ کو اسی طرح ہی مانتے ہیں۔

جہاں تک فاضل موصوف کی یہ بات ہے کہ ”حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کے ساتھ روح مبارک کو ایک خاص تعلق حاصل ہے“ یہ بالکل صحیح ہے، لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی برزخی زندگی بالکل دنیوی زندگی کی طرح حقیقی بلکہ اس سے بھی قوی زندگی ہے؟ روح اور جسم کا معنوی تعلق بھی تو برزخ ہی کی زندگی کی ایک صورت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہے، لیکن اسے دنیوی زندگی کی طرح کیونکر کہا جاسکتا ہے جو آپ حضرات کا عقیدہ ہے؟ بنا بریں اس صحیح بات پر یہ عقیدہ کیونکر متفرع ہو سکتا ہے جو آپ نے کیا ہے کہ ”اسی تعلق کی بنا پر آپ اپنے روضہ انور پر پڑھا جانے والا صلوة و سلام سماعت فرماتے ہیں۔“ سماعت کا یہ عقیدہ اس وقت تک صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک آپ جسم و روح کے

معنوی تعلق کو دنیوی زندگی کی طرح حقیقی زندگی ثابت نہیں کر دیتے اور اس کے اثبات کے لیے نص صریح کی ضرورت ہے۔ وہ آپ پیش فرمائیں، وہ آپ کے اکابر کے اپنے بیان کردہ عقیدوں سے ثابت نہیں ہوگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی قرآن کے اس عموم میں داخل ہیں کہ فوت شدگان کو کوئی اپنی بات نہیں سنوا سکتا۔ الایہ کہ کسی نص صحیح و صریح سے آپ کا (عند القبر) سننا ثابت نہ کر دیا جائے، جیسے حدیث میں آتا ہے کہ جب مردے کو دفن کر لوگ واپس ہوتے ہیں تو فوت شدہ جانے والوں کے قدموں (جو توں) کی آہٹ سنتا ہے۔ مردے کا یہ سننا ایک استثناء (تخصیص) ہے جو حدیث صحیح و صریح سے ثابت ہے، اس لیے اس پر ہمارا ایمان ہے، لیکن یہ تخصیص اس حد تک ہی محدود رہے گی جس کی صراحت حدیث میں ہے، اسے عام نہیں کیا جاسکتا۔ اس حدیث سے یہ استدلال جائز نہیں ہوگا کہ فوت شدگان ہر بات سن سکتے ہیں، جیسا کہ بعض لوگوں نے اس حدیث سے مطلقاً سماع موتی کا جواز ثابت کر کے غیر اللہ سے استمداد و استعانت (شرک) کا راستہ کھول رکھا ہے۔

[عند القبر درود و سلام سننے کا مطلب تو یہ بنتا ہے کہ] نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کی صفت سمیع سے متصف ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ مافوق الاسباب طریقے سے سننے پر قادر ہے، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی مافوق الاسباب طریقے سے لوگوں کی درخواستیں سن سکتے ہیں۔ ظاہر اسباب کے مطابق ایک فوت شدہ شخص گھر کے اندر بھی، جب کہ ابھی اس کو دفنایا نہ گیا ہو، کوئی بات نہیں سن سکتا، لیکن اس کو منوں مٹی کے نیچے دفنانے کے بعد یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ اب بھی ہماری بات سن سکتا ہے تو اس کا یہ سننا (بالفرض اگر وہ سنتا ہے) ظاہری اسباب کے مطابق کہلائے گا یا مافوق الاسباب؟ ظاہر بات ہے یہ سننا اور ائے اسباب ہی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی نص قرآنی کے مطابق وفات پا چکے ہیں اور صحابہ نے عام انسانوں کی طرح آپ کو بھی لحد مبارک میں دفنایا ہے۔ آپ کی وفات کے بعد کسی صحابی نے آپ کی قبر پر جا کر آپ سے توسل یا استشفاع نہیں کیا۔ اب یہ کہنا کہ آپ روضہ انور کے پاس کھڑے ہو کر پڑھے جانے والا صلوة و سلام بھی سنتے ہیں اور ہر قسم کی درخواستیں بھی تو یہ سننا مافوق الاسباب قوت سماعت کے بغیر ممکن نہیں۔ جب تک کسی نص صریح سے یہ ثابت نہیں کر دیا جائے گا کہ آپ بھی اللہ تعالیٰ کی طرح مافوق الاسباب طریقے سے قوت سماعت سے متصف تھے اور اب بھی ہیں، اس وقت تک دیوبندی عقیدہ بھی بے بنیاد ہے اور وہ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ بریلویوں کے مماثل ہے۔

ہمارے ناقص علم کے مطابق محولہ حدیث جس کے الفاظ ہیں: من صلسی علی عند قبری، ضعیف ہی نہیں، موضوع ہے۔ اس کی اسنادی بحث کے لیے ملاحظہ ہو: السلسلیۃ الضعیفۃ للالبانی جلد ۱، ص ۲۳۹، رقم الحدیث ۲۰۳ اور ”تحقیقی و علمی مقالات“ از حافظ زبیر علی زئی، جلد ۱، ص ۲۵، ۶۶، مکتبہ اسلامیہ لاہور۔ اس لیے اس سے زیر بحث مسئلہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں اس کے لیے کسی بھی بڑے سے بڑے عالم یا بزرگ کی کتاب یا فتویٰ یا رائے کا حوالہ کافی نہیں ہے، چاہے اہل حدیث کے ہاں بھی اس کی علمی حیثیت مسلمہ ہو، کیونکہ حدیث کی صحت کے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ فلاں بزرگ نے اس سے استدلال کیا یا اس کو صحیح کہا یا اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ مسلمہ اصول حدیث کے

مطابق اس کی صحت کا اثبات ضروری ہے۔

موصوف فرماتے ہیں کہ ”بالکل یہی بات اہل حدیث عالم مولانا نذیر حسین دہلوی نے لکھی ہے۔“
اہل حدیث کے نزدیک سید نذیر حسین یا اور دیگر کبار علمائے اہل حدیث اپنے علم و فضل اور خدمات کے پیش نظر یقیناً قابل احترام ہیں، لیکن اہل حدیث چونکہ اکابر پرستی اور غلو عقیدت سے پاک ہیں، اس لیے وہ معصوم صرف نبی منقرض الطاعت کو مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کسی کو معصوم سمجھتے ہیں نہ مانتے ہیں، اس لیے کئی مسائل میں وہ سید نذیر حسین کی رائے اور فتوے کو بھی غلط قرار دیتے ہیں۔ محولہ عبارت بھی اگر واقعی ان کے فتاویٰ یا کسی کتاب میں لکھی ہوئی ہے تو وہ ہمارے نزدیک غلط اور ناقابل حجت ہے۔

ثانیاً، واقعہ یہ ہے کہ محولہ عبارت نہ صرف یہ کہ محولہ مقام پر نہیں ہے، بلکہ فتاویٰ نذیر کی تینوں جلدوں میں یہ عبارت تمام مظان دیکھنے کے باوجود ہمیں نہیں ملی۔ یہ عبارت اگرچہ مدار استدلال نہیں، لیکن ہماری یہ خواہش ضرور ہے کہ اس عبارت کا اتنا پتا ہمیں معلوم ہوتا کہ اس کا سیاق و سباق دیکھا جاسکے۔

فاضل موصوف نے مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کی طرف عند القبر صلاۃ و سلام کے سماع کا فتویٰ منسوب کیا ہے، حالانکہ ان کا یہ فتویٰ ان کے فتاویٰ میں ہمیں کہیں نہیں ملا۔ ان کا اصل فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔ اصل فتویٰ فارسی میں ہے، اس کا اردو ترجمہ جو اس کے حاشیے ہی میں درج ہے، حسب ذیل ہے:

”اور نبی یا کسی دوسرے کو ندا (یسا کہ لفظ سے خطاب کرنا) یا درود اور غیر درود میں ندا کرنے کا جو فرق کیا جاتا ہے، وہ ہماری سمجھ سے تو بالاتر ہے کیونکہ ندا (یسا) تو حاضر کے لیے ہوتی ہے اور نبی بھی حاضر نہیں ہوتا، نہ درود کے وقت اور نہ کسی دوسرے وقت۔ اور درود کے متعلق صرف اتنا ثابت ہے کہ اس کو فرشتے پہنچا دیتے ہیں۔ پس ندا (یسا) حاضر ہونے کے عقیدے کی طرف اشارہ کرتی ہے اور یہ عقیدہ شرک ہے تو ایسے الفاظ شریک سے پرہیز کرنا نہایت ضروری ہے۔“ (فتاویٰ نذیر یہ جلد اول ص ۱۶۰)

یہاں درود کے بارے میں واضح طور پر یہ لکھا ہے کہ صرف اتنا ثابت ہے کہ اس کو فرشتے پہنچاتے ہیں۔ یہ لفظ انہوں نے مطلقاً لکھے ہیں، یہ درود پڑھنا عند القبر ہو یا کسی اور جگہ سے ہو۔ ہر دو صورتوں میں فرشتے ہی پہنچاتے ہیں، جیسے حدیث میں ہے: ان لله ملائكة سياحين في الارض يبلغوني عن امتي السلام (موارد الظمان، حدیث ۲۳۹۲)

یہ چند گزارشات بادل نحو استہ اس لیے پیش کی گئی ہیں کہ اہل حدیث کی بابت یکسر خلاف واقعہ الزام تراشی اور نہایت غلط تاثرات کا اظہار کیا گیا ہے، اس لیے انھی صفحات پر ان کا ازالہ و وضاحت ضروری تھی۔ امید ہے کہ آئندہ ایسی صورت حال پیش نہیں آئے گی (کم از کم الشریعہ کے صفحات پر) کہ ہمیں پھر یہ ناخوش گوار فریضہ ادا کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ وما علینا الا البلاغ

حافظ صلاح الدین یوسف

مدیر شعبہ تحقیق و تالیف دار السلام لاہور

[اہل تشیع کی تکفیر کے حوالے سے اس بحث میں دونوں طرف کا موقف متعدد بار تفصیل کے ساتھ سامنے آچکا ہے اور اب یہ مباحثہ تکرار اور مناظرے کی حدود میں داخل ہوتا نظر آ رہا ہے، اس لیے اس خط کی اشاعت کے ساتھ اس سلسلے کو یہیں ختم کیا جا رہا ہے۔ کسی دوسرے موقع پر کوئی نیا علمی یا فکری تقاضا سامنے آنے کی صورت میں اس موضوع پر گفتگو کے لیے ”الشریعہ“ کے صفحات پھر سے حاضر ہوں گے۔ (مدیر)]

مفتی محمد زاہد صاحب کا مضمون ”برصغیر میں برداشت کا عنصر“ ماہ نامہ الشریعہ میں شائع ہوا۔ اس میں فاضل مضمون نے تین دعوے کیے تھے:

۱۔ بطور فرقہ شیعہ کی تکفیر اہل سنت کا منفقہ فتویٰ نہیں ہے۔

۲۔ اہل تشیع ملی تحریکات میں شامل رہے۔

۳۔ جو حضرات شیعوں کے خلاف کام کرتے رہے، وہ بھی موجودہ ماحول کے روادار نہیں تھے۔

ہم نے اپنے سابقہ مضمون میں ان تینوں باتوں کا تفصیلی جواب دیا۔ ہمارے موقف کا لب لباب یہ تھا کہ:

۱۔ جنہوں نے شیعیت کے مدوجزر پر مستقل نگار رکھی ہے، انہوں نے علی الاطلاق بطور فرقہ تکفیر کی ہے اور اس مسئلہ پر رائے بھی انہی کی معتبر ہوگی۔

۲۔ ملی تحریکات سے نظریاتی اختلاف کے فاصلے نہیں سمیٹتے، نیز ہمارے اسلاف نے انہیں شامل کرنے کے باوجود موقع بہ موقع علمی تعاقب جاری رکھا۔

۳۔ موجودہ مذہبی ماحول لاریب اسلاف کے مزاج کے خلاف ہے اور ہم نے پوری دیانت کے ساتھ اس پر بحث کر دی ہے، مگر اس کا ذمہ دار کوئی ایک جماعت یا طبقہ نہیں ہے اور نہ ہی اس ماحول کے کالے بادل دور کرنے کے لیے کسی گمراہ فرقے کی وکالت ضروری ہے۔

اس کے جواب میں فاضل مضمون نگار اپنی حالیہ تحریر میں یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ انہوں نے برصغیر کے مذہبی ماحول میں برداشت کے عنصر کے حوالہ سے بحث کی ہے، حالانکہ یہ تاثر غلط ہے۔ انہوں نے اہل تشیع اور اہل تسنن کے ضمن میں کلیتاً اہل تشیع کا دفاع کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ صراحتاً یہ باور کرایا گیا تھا کہ ان کا ملت اسلامیہ کے ساتھ کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے اور ساری تگ و تاہل تشیع کے دفاع پر تھی۔ ہمیں اس سے غرض نہ تھی کہ تکفیر شیعہ پر اکابرین امت کا اجماع ہے یا نہیں۔ ہم نے تو فاضل مضمون نگار کی اس روش کی تردید کی ہے کہ علی الاطلاق تکفیر نہ کرنے والوں نے بھی کبھی اس گمراہ ترین فرقے کی وکالت نہیں کی۔ ملت اسلامیہ کے جن جہانڈہ روزگار اہل علم نے پوری متانت اور فکر بیدار کے ساتھ رفض کے نشیب و فراز کا مشاہدہ کیا، انہوں نے ان کی تکفیر کی اور جنہیں غور کرنے کے لیے دیگر خدمات دینیہ کے انہماک نے موقع نہیں دیا، انہوں نے بھی اس فرقہ کو ”گمراہ ترین“ ضرور کہا ہے اور مشروط تکفیر کرنے سے انہوں نے بھی دریغ نہیں کیا۔ جو سودا آپ کے دماغ میں سما یا ہے، یہ اہل دانش و بینش کے علمی مزاج کے برعکس ہے۔

کسی متشدد طبقے کی مخالفت میں نفس مسئلہ کا ہی انکار کر دینا کہاں کی علمی دانش ہے؟ کل کلاں اگر جذباتی نوجوان

مرزائیوں کے خلاف تشدد پر اتر آئے تو آپ مرزائیوں کی ترجمانی کرنے بیٹھ جائیں گے؟ فاضل مضمون نگار کو فتوے اور رائے میں تمیز ملحوظ نظر رکھ کر قلم اٹھانا چاہیے تھا۔ سو فاضل مضمون نگار نے جب شیعہ، سنی زماعی مسائل پر علمی ذوق استعمال کرنے کے بجائے محض ایک فرقہ کو مسلمانوں کی قطار میں کھڑا کرنا چاہا تو ہم نے امت کے ان اکابر کی تحقیق پیش کر دی جنہوں نے پوری چھان بین کے بعد علی الاطلاق اہل تشیع کے تین فرقوں یعنی ۱۔ اثنا عشریہ ۲۔ اسماعیلی اور ۳۔ نصیری پر فتویٰ تکفیر دیا۔

ہمارا یہ مضمون ماہنامہ ”الشریعہ“، ماہنامہ ”حق چاریار“ اور ماہنامہ ”صفدر“ کے ذریعے جب اہل ذوق کے ہاتھوں میں پہنچا تو داد و تحسین کے ڈوگرے برس پڑے۔ کیا علماء اور کیا وکلاء بلکہ مقتدر مفتیان عظام نے باضابطہ فون کے ذریعے حوصلہ افزائی فرمائی اور ان کے جذبات یہ تھے کہ آپ نے اکابرین اہل سنت کی ترجمانی کی ہے۔

تحریف قرآن پر فاضل مضمون کا دعویٰ یہ تھا کہ اہل تشیع اس کے قائل نہیں ہیں اور دلیل کے طور پر انہوں نے مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور علامہ شمس الحق افغانی کے حوالہ جات پیش کیے۔ ہم نے اس ضمن میں جو بحث کی ہے، اس کا دوبارہ یہاں اندارج ضروری نہیں۔ تاہم حیرت اس امر کی ہے کہ موصوف نے اس ساری بحث کو ہضم فرما کر محض ایک ہی نکتہ اٹھایا کہ مولانا شمس الحق افغانی کا رجوع ثابت کرنے کے لیے جس مکتوب کا مختصر سا اقتباس پیش کیا گیا ہے، اس میں صرف تصحیح کرنے کا وعدہ ہے۔ تصحیح کے وعدے، تصحیح کے ارادے، عملاً تصحیح کرنے اور رجوع میں فرق ہے۔ علاوہ ازیں یہ کہ اس وقت مارکیٹ میں موجود ”علوم القرآن“ میں وہ عبارت جوں کی توں موجود ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مشاغل علمی اور ہجوم کار نے علامہ افغانی کو ممکن ہے اپنی زیر نگرانی تصحیح کا موقع نہ دیا ہو۔ کیونکہ کسی بھی کتاب کا پہلا ایڈیشن ختم ہوتا ہے تو دوسرا شائع ہوتا ہے۔ اس وقت تک ان کو صحت، یادداشت نے موقع نہیں دیا ہوگا۔ اور اس کی تاریخ میں ایک نہیں، بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عبدالمجید دہلوی کی زندگی میں کئی اتار چڑھاؤ آئے، جمہور اہل سنت کے نظریات سے ہٹ کر کی گئی لاتعداد باتوں سے ان حضرات نے عملاً رجوع کیا۔ مگر ان کی کتابوں میں کئی ایک مقامات پر سابقہ نظر یہ موجود ہے، بلکہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق مرحوم کی انکار حدیث اور دیگر لایعنی موضوعات پر آج بھی کتابیں مارکیٹ میں دستیاب ہیں جبکہ انہوں نے زندگی کے اواخر میں ”تاریخ حدیث“ لکھ کر اپنے سابقہ عقیدے سے رجوع کر لیا تھا، مگر پیشہ ورتجار اب بھی ان کی کتابیں شائع کر رہے ہیں۔

فاضل مضمون نگار لکھتے ہیں کہ علامہ بحر العلوم نے ”فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت“ میں جہاں شیعہ کی تکفیر کی بحث آتی ہے، وہاں انہوں نے عدم تکفیر کو مدلل انداز سے ترجیح دی ہے۔

علامہ بحر العلوم نے شیعہ مفسر علامہ ابوعلی طبری کی تفسیر ”مجمع البیان“ پڑھ کر ان کے عقیدہ تحریف قرآن پر غور کیا تو صاف الفاظ میں شیعوں کی تکفیر کی۔ ملاحظہ ہو فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت صفحہ ۷۴۱۔ امام اہل سنت علامہ عبدالشکور لکھنوی نے ”فقہی نظر سے مختتم فیصلہ“ کے زیر عنوان علامہ بحر العلوم کے اس فتویٰ تکفیر کو تفصیل سے بیان فرمایا تھا اور ساتھ یہ بھی لکھا کہ میں نے بھی کسی زمانہ میں شیعوں کے ساتھ منا کحت کا جواز لکھا تھا، لیکن جب کتب شیعہ پر عبور ہوا تو اس فتوے سے رجوع کر لیا جیسا کہ علامہ بحر العلوم نے رجوع فرمایا تھا۔ (ملاحظہ ہو: ”انجم“، لکھنؤ شوال ۱۳۴۵ھ)

فاضل مضمون نگار اپنے حالیہ مضمون میں مولانا کرم الدین دبیر کے متعلق لکھتے ہیں ”ویسے مولانا دبیر بڑے آدمی ہیں، لیکن فتوے کی دنیا میں اتنا بڑا نام نہیں کہ تکفیر کے حوالے سے مجھے ان کی بات سے دور از کار استدلال کی ضرورت ہوتی۔“ فاضل مضمون نگار کو غلط فہمی ہو رہی ہے کہ مولانا دبیر مفتی نہیں تھے۔ وہ اپنے زمانہ میں ایک مدقن، صاحب نظر اور فقہی باریکیوں پر نگاہ رکھنے والے منصب افتاء پر فائز تھے اور شرعی و فقہی روشنی میں لوگوں کے نکاح و طلاق اور دیگر معاشرتی و سماجی فیصلے صادر فرماتے تھے اور اسی منصب کی وجہ سے وہ ”قاضی“ مشہور ہو گئے تھے، ورنہ ان کی ذات تو ”اعوان“ تھی۔ تاہم فاضل مضمون نگار کی مہربانی ہے کہ وہ مولانا دبیر اور حضرت اقدس قاضی صاحب کے متعلق فرماتے ہیں کہ ”اس خاندان کا تکفیر کا قائل ہونا اظہر من الشمس ہے“۔ ایک اور جگہ لکھتے ہیں ”تاہم ویسے حقیقت یہی ہے کہ وہ (مولانا دبیر) اور ان کے صاحبزادے تکفیر کے قائل تھے۔“

فاضل مضمون نگار تو ہم سے مایوس ہیں، مگر ہم ان سے مطمئن ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ آپ اپنے اور میرے مضامین کو ٹھنڈے دل کے ساتھ بار بار نظر نواز کیجیے اور غصہ تھوک دیکھیے۔

بس آج اتنا ہی۔ اپنے ناراض بزرگ عالم دین کی خدمت میں حافظ شیرازی کا ایک شعر بھر پور امیدوں کے ساتھ پیش خدمت ہے:

آہ من گراثرے داشتے یارمن بکوم گزرے داشتے

(اگر میری آہ میں کوئی اثر ہے تو میرے دوست کا میری گلی سے ضرور گزرے گا)

حافظ عبدالجبار سلفی، لاہور

فتوے میں احتیاط اور مخالف علمی آرا کا احترام

”مناکت روافض سے اہل سنت کو جائز نہیں، بلکہ ممنوع ہے شرعاً کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ہوئی سے مودت و مخالفت کو منع فرمایا ہے اور مناکت میں یہ امر موجود ہے، لہذا مناکت باہم اہل سنت اور روافض کی جائز نہیں۔“ (مولانا رشید احمد گنگوہی، ”باقیات فتاویٰ رشیدیہ“، مرتب مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی، ص ۲۴۲، ۲۴۳)

”(اہل) سنت و جماعت زن کو شیعہ مرد سے نکاح حرام ہے۔ جو ہو گیا تو اولاد حلال ہوگی۔ شیعہ خاوند کے مال سے حج کرنا اور کسی کو دینا بھی حلال ہے، کیونکہ بعض علماء شیعہ کو کافر نہیں کہتے اور نکاح اس واسطے ہو جاتا ہے، اگرچہ برا ہے۔“ (”باقیات فتاویٰ رشیدیہ“، ص ۲۴۴)